اقتصادی عدمِ توازن کا اسلامی حل

پروفیسر محمد لیٰسین مظہر صدیقی

کسی بھی سماج میں ہر طرح کا معاشی عدم توازن اور اقتصادی ناہمواری بنیادی طور سے وسائل پیداوار پر غیر منصفانہ قبضہ وتصرف اور دولت کی ناحق تقسیم سے جنم لیتی ہے۔ قدیم وجدید دور کے سارے اقتصادی نظاموں کا بلند بانگ دعویٰ رہا ہے کہ وہ انسان کے معاشی اور اقتصادی مسائل کو حل کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ سب کے سب اپنے مقصد میں ناکام ہی رہے ہیں[1]۔ ان نظاموں نے معاشی مسائل، عدم توازن اور ناہمواری کو ختم کرنے کے بجائے ان میں بے پناہ اضافہ ہی کیا ہے۔ کیوں کہ وہ بالعموم عام انسان کے مفاد میں وسائل پیداوار کو کنٹرول اور دولت کے بہاؤ کو صحیح سمت نہیں دے سکے۔ مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھئے تو دنیا کے سارے اقتصادی نظام اور تمام معاشی طریقے انسانی دماغ کی پیداوار ہیں۔ انسانی ذہن ایک تو محدود ہے اور وہ صرف اپنے حدود اور پیمانوں ہی میں رہ کر فکروعمل کی راہ نکال سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ انسانی فکروعمل افراد، طبقات اور پورے انسانی سماج کے مختلف النوع رجحانات، گوناگوں تعصبات اور طرح طرح کے میلانات کی آلائشوں سے خالی نہیں ہوتے۔

اسلام کے ماننے والے یہ یقین کرتے ہیں اور دوسروں کو یقین دلاتے ہیں کہ اس کا اقتصادی نظام تمام انسانوں کے خالق، تمام جہانوں کے پالنے والے اور پوری کائنات کے مہربان وشفیق مالک کا پیدا کردہ ہے۔ اس لیے اس میں تمام انسانوں کے مفادات کا تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ اسلامی اقتصادی نظام میں ناہمواریوں اور عدم توازن کی نیرنگیوں کا شافی وکافی حل موجود ہے کیونکہ وہ انصاف اور سماجی عدل پر مبنی ہے۔ وہ فرد کو بھی اس کا پورا حق عطا کرتا ہے اور طبقہ کو بھی۔ وہ جلب منفعت اور دفعِ مضرت کے اصولوں پر مبنی ہونے کے سبب انسانی سماج کو مجموعی طور سے زیادہ فائدہ پہونچاتا اور ہر ممکن نقصان وضرر سے بچاتا ہے۔ الٰہی نظام اور خدائی

انتظام ہونے کی وجہ سے وہ سب کے معاشی مفادات کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔[۲]
اسلام اقتصادی نظام اور معاشی زندگی میں کامل مساوات کی ضمانت فراہم کرنے کی بات نہیں کرتا کیونکہ وہ انسانوں کی اقتصادی صلاحیتوں اور روزی روٹی کمانے کی لیاقتوں میں اختلاف ہونے کی وجہ سے فطرت کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے اقتصادی نظام کی بنیاد سماجی عدل پر رکھی ہے۔ قرآن مجید نے بہت واضح اصول مقرر فرمایا "... دنیوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے تقسیم کر رکھی ہے، اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے ..."[۳] (سورہ زخرف ۳۲ ترجمہ تھانوی)۔ قرآن مجید کی بہت سی آیاتِ کریمہ وضاحت کے ساتھ اعلان کرتی ہیں کہ تمام انسان ہر لحاظ سے مساوی نہیں ہیں۔ ان کی صلاحیتیں مختلف ہیں لہٰذا ان کا سماجی مرتبہ اور اقتصادی معاملہ بھی مختلف ہوتا ہے۔ ایسا اس لیے کیا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنے عطایا اور نعمتوں کے ذریعہ آزمائے اور امتحان لے کہ کس نے ان کا شکر ادا کیا۔[۴]

اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اسلام تمام انسانوں کو معاش حاصل کرنے کے مساوی مواقع فراہم کرتا ہے۔ اس کا عقیدہ اور عمل ہے کہ وہ تمام فطری وسائل اور قدرتی ذرائع جن پر انسانی معیشت مبنی ہے اللہ رب العالمین کے پیدا کردہ ہیں اور ان سے مستفید ہونے کا حق اس کی تمام مخلوقات کو بلا کسی امتیاز کے حاصل ہے۔[۵] یکساں مواقع کی فراہمی کے بعد انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ افراد، طبقات اور اقوام کو آزادی اور خود مختاری دی جائے کہ وہ اپنی اپنی صلاحیتوں، لیاقتوں کے مطابق ان قدرتی وسائل سے فائدہ اٹھائیں۔ اس ضمن میں اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ اسلام انسانوں بلکہ مخلوقاتِ عالم کے کسی گروہ کو ان وسائل سے فائدہ اٹھانے سے محروم نہیں کرتا بلکہ بلا امتیاز مذہب و ملت، رنگ و نسل اور علاقہ و زبان تمام انسانوں کے حق استفادہ کو تسلیم کرتا ہے۔ اسی بنا پر اسلام نہ تو گلڈ نظام کو مانتا ہے اور نہ ذات پات کے سماج کو۔ اس میں کسی ایسے سماجی اصول و عمل کی گنجائش نہیں جو پیشوں اور کام کاج کے وسیلوں کو کسی ایک ذات یا طبقہ کی جاگیر بنا دے۔ اسلامی نظامِ حیات میں تمام مفید اور صحیح پیشوں اور کمانے کے طریقے سب کے لیے کھلے ہیں اور نہ صرف کھلے ہیں بلکہ ان کی بنا پر کسی سماجی تفریق و عدمِ مساوات کی اجازت بھی نہیں۔[۶]

اسلامی معاشی زندگی اور اقتصادی نظام میں وسائلِ پیداوار کے انسانی استعمال و استفادے

پر چند پابندیاں عائد ہیں۔ ان پابندیوں کے پیچھے یہ محرک کارفرما ہے کہ انسانوں کو انسانوں کے استحصال سے بچایا جائے، مخلوقاتِ الٰہی پر مظالم کا سدباب کیا جائے اور انسانی سماج کو قعرِ مذلت میں گرنے اور اپنی شکست و ریخت کے اسباب خود مہیا کرنے سے روکا جائے یہ اور ان جیسے دوسرے مقاصد کے لیے اسلام نے "حلال وحرام" کے قاعدے اور قوانین مقرر کرکے ہر میدانِ حیات میں ان کو جاری و ساری کیا۔ یہ صحیح ہے کہ "حلال وحرام" کے معاشی قوانین دوسرے میادین حیات کی مانند منشائے الٰہی اور مصالحِ ربانی پر مبنی ہیں تاہم عقلِ انسانی ان کے محرکات و مقاصد کو بخوبی سمجھ سکتی ہے اور تجرباتِ افراد و طبقات الٰہی قوانین کی صحت اور افادیت کو ثابت کرتے رہے ہیں۔ انسانی معاشی نظام میں اسلام نے صرف چند پیشوں اور اقتصادی مشغلوں کو حرام و ناجائز قرار دے کر ان سے گریز کرنے کا حکم دیا ہے جبکہ بیشتر کو صحیح اور جائز بتایا ہے۔ قرآنی اصطلاح میں ان کو "طیبات" اور "خبائث" اور "حلال وحرام" کہا گیا ہے اور ان کے اندرونی یا طبعی اثرات کی بھی وضاحت کی گئی ہے جو وہ انسانی زندگی پر مرتب کرتے ہیں۔ انسان کے معاشی تجربات نے یہ حقیقت روشن کردی ہے کہ حرام پیشے اور خبیث مشغلے نہ صرف دوسروں کے استحصال کے دروازے کھولتے ہیں بلکہ سب کی اخلاقی، جسمانی، روحانی اور ذہنی ابتری اور افراتفری کے باعث بھی بنتے ہیں[۳۴]۔

دولت کے حصول کے سلسلے میں اسلام نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جائز و حلال پیشوں اور صحیح طریقوں سے ہی اس کو حاصل کیا جائے۔ "ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر مت کھاؤ، لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو تو کوئی مضائقہ نہیں[۳۵]" (سورہ النساء، ۲۹، ترجمہ تھانوی) قرآن مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ، حدیثِ نبوی کے بہت سے فرامینِ مقدسہ اور علماءِ اسلام کے متفقہ فتاویٰ بلا کسی شک و شبہ کے واضح کرتے ہیں کہ تمام ناجائز طریقے اور حرام مشاغل کے ذریعہ دولت کا حصول حرام اور ممنوع ہے۔ اس کی ایک مادی علت یہ ہے کہ حرام مشاغل کے اختیار کرنے سے ایک فریق کا بھلا ہوتا ہے اور دوسرے کا نقصان۔ جو مجموعی طور سے سماج میں معاشی عدم توازن پیدا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تمام حرام ذریعوں کی ممانعت کرکے دولت کے حصول کا صحیح راستہ بتایا ہے۔ ان میں رشوت، خیانت، غصب، غبن، سرقہ، چوری، ڈکیتی، فاحشہ، زنا، ناپ تول میں کمی بیشی، قماربازی، شراب سازی، سودخواری (ربا) اور ناپسندیدہ و غیر مستحسن طریقہ

(لہو الحدیث) اور ان جیسے بہت سے حرام طریقوں کی ممانعت شامل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے بہت سے تجارتی طریقوں اور تجارتوں کو صرف اس بناپر ممنوع و حرام قرار دیا ہے کہ ان میں دھوکہ، فریب یا استحصال کا عنصر پایا جاتا ہے[۹]

پیداوار کا ایک اہم ترین ذریعہ زمین رہی ہے۔ وہ دولت کے حصول کا اہم ترین ذریعہ بھی ہے۔ "بیشک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور ہم نے تمہارے لیے اس میں سامانِ زندگانی پیدا کیا...[۱۰]" (اعراف ۱۰ ترجمہ مولانا تھانوی) "اچھا پھر یہ بتلاؤ تم جو کچھ بوتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں...[۱۱]" (سورہ الواقعہ ۶۳-۶۴ ترجمہ مولانا تھانوی) پیداوار و دولت کا یہ عطیہ الٰہی بلا قید و شرط نہیں ہے۔ زمین کا استعمال اور اس سے استفادہ بعض بہت اہم اسلامی قوانین سے مشروط ہے۔ ان کے نفاذ کا مقصود یہ ہے کہ تمام لوگوں کو ان کے حق کے مطابق فائدہ پہونچے اور کسی دوسرے کو کسی قسم کا نقصان نہ ہو۔[۱۲]

اب سوال پیدا ہوتا ہے زمین اور دوسرے ذرائع پیداوار و وسائل دولت کے مالکانہ حقوق کا۔ اصولی طور سے تمام کائنات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا مستقل مالکانہ حقوق خواہ کسی چیز کے ہوں اسی ذاتِ الٰہی کو حاصل ہیں۔ لیکن اسلام نے عملی لحاظ سے پیداوار و دولت کے ذرائع کی ملکیت اسلامی امت اور اس کی نمائندہ ریاست کو منتقل کر دئے ہیں۔ اسلام بلاشبہ افراد کے حق ملکیت کو تسلیم کرتا ہے مگر کچھ قیود و شروط کے ساتھ۔ قرآن و حدیث اور شریعت و فقہ میں ان کی وضاحت کر دی گئی ہے اور فرد کے حق ملکیت کے اصول کو بھی بیان کر دیا ہے۔ قرآن کی متعدد آیاتِ کریمہ میں "اموالکم" (تمہارے مال) اور "اموالہم" (ان کے مال) کا حوالہ ملتا ہے جو علماء و مفسرین کے مطابق حق ملکیت کو تسلیم کرنے کی واضح علامت ہے۔[۱۳]

اسلامی معیشت میں نجی ملکیت کا حق ہر طرح کی دولت و جائداد میں تسلیم کیا گیا ہے خواہ وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ وہ اشیائے صرف اور ذرائع پیداوار میں فرق نہیں کرتی۔ اسی طرح پیدا کردہ اور غیر پیدا کردہ دولت میں بھی امتیاز نہیں کرتی۔ جیسا کہ بعض جدید اور انسانی معاشی نظاموں میں کیا گیا ہے۔ الٰہی حق ملکیت یا امت کا اجتماعی حق ملکیت کسی طرح انفرادی حق ملکیت کی نفی نہیں کرتا صرف اس کی تحدید اور تعیین کرتا ہے۔ اسلامی تاریخ سے اس کی شہادت ملتی ہے کہ اولین دور سے لے کر آج تک کے اسلامی یا مسلم معاشروں میں مسلمانوں اور غیر مسلمانوں دونوں کو نجی ملکیت کا حق حاصل رہا اور اسی کے تحت وہ ہمیشہ جائداد منقولہ اور غیر منقولہ دونوں کے مالک

اور ان پر متصرف بھی رہے[۱۱۴]

زمین کے حقِ ملکیت و تصرف کے سلسلہ میں یہ حقیقت بھی واضح رہنی چاہیے کہ زمین کے مالک کو اسی وقت تک اس پر مالکانہ حقوق اور تصرف حاصل ہیں جب تک وہ ان پر پیداوار کا عمل براہ راست یا بالواسطہ جاری رکھتا ہے۔ گویا اسلام میں صارف یا کاشت کرنے والے کو مالکانہ حقوق حاصل ہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ اسلامی نظام معیشت میں جاگیردارانہ نظام یا تعلقدارانہ انتظام کی قطعی گنجائش نہیں کیونکہ اس جابرانہ نظام میں جاگیردار و تعلقہ دار بلا کچھ کرے دھرے وسائلِ پیداوار کا مالک بن بیٹھتا ہے اور زمین پر کاشت کرنے والے محض اس کے مزدور اور پیداواری ہاتھ بن کر رہ جاتے ہیں۔ اسلامی نظامِ زراعت میں اس کی تو اجازت ہے کہ مالکِ زمین مزدوروں کے ذریعہ کھیتی باڑی کرائے۔ اس صورت میں وہ اپنا مال بھی لگاتا ہے اور اپنی محنت بھی اور دوسروں کا استحصال بھی نہیں کرتا۔ اسلام بنیادی طور سے آراضی کی صحیح ملکیت اور اس کی منصفانہ تقسیم کا قائل ہے۔ وہ زمین کے اصل مالک اور حقیقی کاشتکار کو حقِ ملکیت عطا کرتا ہے[۱۱۵]

یہی وجہ ہے کہ انفرادی حقِ ملکیت کو محدود، پابند اور مختصر کیا جا سکتا ہے اور بعض اوقات سرے سے اس کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ اسلام میں چونکہ انسان کے مجموعی فائدے کا اصول تسلیم کیا گیا ہے اس لیے افراد کا فائدہ اس کے ماتحت ہو جاتا ہے۔ اسی اصول کے تحت حقِ ملکیت کی تحدید یا تنسیخ صرف اس صورت میں ہوتی ہے جب کہ اس سے اسلامی معاشرہ اور انسانیت کا مجموعی فائدہ خطرہ سے دوچار ہو۔ بظاہر اس میں افراد کا نقصان اور معاشرہ کا فائدہ نظر آتا ہے مگر حقیقت میں افراد کا بھی نقصان نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بھی اسی کے مفاد میں ہوتا ہے۔ عہدِ نبوی سے لے کر اسلامی خلافت کے ہر دور میں اس کی مثالیں ملتی ہیں کہ متعدد جائدادیں بالخصوص غیر منقولہ اور آراضی پر مبنی جائدادیں اسلامی حکومت و ریاست کے حق میں ضبط کر لی گئیں۔ ان میں سے بعض وہ تھیں جن کے مالکوں نے مسلسل کئی سال تک اپنی زمینوں کو خالی اور زراعت سے محروم رکھا تھا۔ وہ دوسرے کاشتکاروں کے حوالے کر دی گئیں تاکہ ان پر زراعت کا عمل جاری رہے۔ عہدِ نبوی میں بعض آراضی صرف اس بنا پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس لے لی تھی کہ وہ ان کے مالکوں کی ضرورت اور بساط سے زیادہ تھی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قاعدہ جاری کیا تھا کہ جو آراضی تین سال مسلسل زراعت سے محروم رکھی جائے ان کے مالکوں کا حقِ ملکیت

ختم ہوجاتا ہے اور وہ اسلامی ریاست کی اجتماعی ملکیت میں آجاتی ہیں۔ خلافتِ اسلامی کے مختلف ادوار میں اس طرح متعدد قوانین وضع کیے گئے جن کے ذریعہ نجی ملکیت کے حق کو محدود کیا گیا تاکہ اسلامی امت کا مجموعی بھلا ہو۔[۱۶]

عراق کی مفتوحہ اراضیٔ سواد اور دوسری مفتوحہ زمینوں کے بارے میں فاروقی فرمان، حقِ ملکیت اور تقسیم آراضی کا ایک اور اسلامی اصول وضع کرتا ہے۔ مغانم یا اموالِ غنیمت کی فاتح مسلم سپاہ میں تقسیم کا اصول تقاضا کرتا ہے کہ مفتوحہ آراضی کو بھی دوسرے اموالِ غنیمت کی مانند مجاہدین میں تقسیم کردیا جائے۔ مگر خلافتِ فاروقی میں امت کے اجماع سے قانون بنایا گیا کہ آراضی اور دوسری جائدادیں مجاہدین میں تقسیم نہ کی جایا کریں گی اگرچہ ان کو مفتوحہ آراضی سے استفادہ کا حق حاصل رہے گا۔ ان کی ملکیت کا حق اسلامی ریاست کا ہوگا اور اس کو اسلامی امت کے مجموعی مفاد میں استعمال کیا جائے گا۔ اس طرح مفتوحہ آراضی "فے" کے حکم میں داخل کردی گئیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مفتوحہ آراضی کی تقسیم کی صورت میں صرف ان کے فاتحین اور ان کے بعد ان کے خاندان والوں اور وارثوں کو فائدہ ہوگا اور امت کے دوسرے طبقات بالخصوص بعد کے آنے والے طبقات ان کے فوائد سے محروم رہ جائیں گے۔ ایسے تمام قوانینِ اسلامی کا مقصود یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ افراد وطبقات کو فائدہ پہونچایا جائے، اور چند کے فائدہ کی بنا پر جماعت وامت کو نقصان وضرر سے دوچار نہ کیا جائے۔[۱۷]

دولت کی تقسیم کے ضمن میں اسلام کا عام اصول یہ ہے کہ چند ہاتھوں میں اس کا ارتکاز نہ ہونے پائے۔ وہ مسلسل گردش میں رہے اور پورے معاشرہ اور سماج کے تمام لوگوں کو اس کی تقسیم وگردش سے فائدہ پہونچے۔ قرآن کریم کا واضح اعلان ہے "جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے لوگوں سے دلوادے وہ اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا تاکہ وہ تمہارے تونگروں کے قبضے میں نہ آجاوے ...." (سورہ حشر:۷، ترجمہ تھانوی) کہنے کی ضرورت نہیں کہ دولت کی تقسیم وگردش کا یہ اصول اس کی تمام انسانوں میں منصفانہ گردش کا طریقہ وضع کرتا ہے۔ اس کے صحیح نفاذ کی صورت میں نہ تو مالداروں کے درمیان دولت جمع اور مرتکز ہوتی رہے گی اور نہ ہی مالدار غریبوں کی قیمت پر اور مالدار بنیں گے۔[۱۸]

اسلام نہ صرف دولت کی وسیع گردش کا مطالبہ کرتا ہے بلکہ اس کے استعمال پر

بعض پابندیاں بھی عائد کرتا ہے۔ جس طرح وہ دولت کے حصول کو جائز و حلال ذرائع میں محدود کرتا ہے اسی طرح اس کے استعمال و صرف کو بھی صرف جائز و حلال مصارف میں محصور کرتا ہے۔ انسان کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اپنے عیش و طرب پر جیسے چاہے دولت صرف کرے، صرف اس دلیل کی بنا پر کہ وہ اس کی اپنی کمائی ہوئی چیز ہے۔ اسلام ضرورت پر دولت کے خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہے اور اس پر بھی یہ پابندی لگاتا ہے کہ اعتدال کے ساتھ خرچ کرے۔ نہ بخل و کنجوسی کرے اور نہ تبذیر سے کام لے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اعتدال کے ساتھ دولت خرچ کرنے کا حکم دیتی ہیں اور ایسے مومنوں کو پسندیدہ افراد قرار دیتی ہیں۔ وہ اسراف و تبذیر کے ساتھ ساتھ بخل اور کنجوسی سے روکتی ہیں اور ان دونوں کو غیر اسلامی طریقے بتاتی ہیں۔ یہ غلط فہمی، ہرگز نہ ہونی چاہیے کہ قرآنی احکام و تصریحات صرف اخلاقی ہیں اور ان کے پیچھے قانونی پشتہ نہیں لگا ہوا ہے۔ اسلامی نظام معیشت و معاشرت میں متعدد قوانین ایسے ہیں جو دولت کے صحیح اور اعتدال کے ساتھ استعمال کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ وہ اسلامی حکومت و ریاست کو قانونی اختیار دیتے ہیں کہ افراد و طبقات کے اسراف و بخل دونوں کو روک دیں اور دولت کے مالکوں کو مجبور کریں کہ وہ اعتدال اختیار کریں۔[۱۹]

اعتدال پر زور دینے کے باوجود قرآنی فلسفۂ صرف اور اسلامی اصولِ خرچ بنیادی طور سے فیاضی و سخاوت اور وسیع القلبی کے اصولوں پر مبنی ہے اور وہ کنجوسی اور بخل کو قطعی پسند نہیں کرتا، بلکہ اس کے خیال و تصور سے بھی نفرت کرتا ہے۔ "اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات ان کے لیے کچھ اچھی ہوگی بلکہ یہ بات ان کے لیے بہت ہی بری ہے۔ وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنا دیے جاویں گے اس کا جس میں انھوں نے بخل کیا تھا۔" (آل عمران ۱۸۰، ترجمۂ تھانوی)۔ کنجوسی دراصل دولت کی بے جا حرص و طمع سے پیدا ہوتی ہے اس لیے قرآن مجید کے کئی مقامات پر کنجوسی اور طمع دونوں کی سخت مذمت کی گئی ہے۔[۲۰]

اس کے برخلاف قرآن مجید دوسروں پر دولت خرچ کرنے اور جود و کرم سے کام لینے پر ابھارتا ہے۔ اخلاقی تعلیمات کے علاوہ وہ دولتمندوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنی ضروریات سے زیادہ دولت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کی خاطر اپنے اہل و عیال پر، یتیموں و بے سہاروں پر، ضرورت مندوں، مسافروں، سائلوں اور فقراء و مساکین پر خوب خرچ کریں۔ قرآن کریم کا

تو یہ بھی اعلان ہے کہ "تم خیرِ کامل کو کبھی حاصل نہ کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو بھی خوب جانتے ہیں" (آل عمران ۳: ۹۲ ترجمۂ تھانوی)۔ سماجی فلاح کے اس خرچ کو قرآن مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ میں لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلامی ریاست قانون و انتظام کے ذرائع استعمال کر کے دولت مندوں کو فلاحِ عام کے لیے خرچ کرنے پر مجبور کرے گی۔[۲۱]

اسلام میں دولت کی گردش کا ایک طریقہ مالی سزاؤں کی شکل میں بھی مقرر کیا گیا ہے۔ بعض حدودِ الٰہی اور قوانینِ ربانی کی خلاف ورزی کرنے پر توبہ اور معافی کی قبولیت کے لیے مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قتلِ عمد، قتلِ خطا، ظہار، قسم توڑنے، روزہ توڑنے، قضائے نماز وغیرہ متعدد امور و معاملات میں غلام آزاد کرنے، مساکین کو کھانا کھلانے، مالی جرمانے ادا کرنے وغیرہ کے احکام ہیں۔ ایسی جنایات میں مال و دولت کا خرچہ لازمی ہے۔[۲۲]

اسلامی نظامِ معیشت میں زکوٰۃ و صدقات کا حکم سب کو معلوم ہے۔ دولت مند مسلمانوں پر وہ محصول نہیں ہے، بلکہ وہ مذہبی نظام اور دینِ اسلام کا ایک رکنِ اعظم ہے۔ ایک غلط فہمی عام ہو گئی ہے کہ مقررہ اور لازمی زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد دولت مند مسلمانوں پر صدقات دینا یا انفاقِ مال ضروری نہیں ہے بلکہ صرف اختیاری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زکوٰۃ متعینہ کے علاوہ صدقات و خیرات بھی دولت مند مسلمانوں کے لیے ضروری اور لازمی ہیں۔ قرآن مجید نے والدین، اولاد، اسلامی امت اور ان تمام افراد و طبقات کے لیے بھی خرچ کرنے کا حکم دیا ہے جو زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں۔ اسی طرح اسلامی حکومت و ریاست کی وقت ضرورت مالی مدد کرنا بھی لازمی قرار دیا گیا ہے۔[۲۳]

فرض زکوٰۃ اور لازمی انفاق کے پیچھے یہ اصول کارفرما ہے کہ دولت کا مالک صرف ضروریاتِ زندگی پر اعتدال و انصاف کے ساتھ خرچ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ باقی دولت دوسرے ضرورت مندوں کا حق ہے۔ اسلامی اقتصادی نظام کے علاوہ شاید کسی دوسرے نظام میں مالدار کے مال میں غریب و مسکین کے حق ہونے کا تصور ہی نہیں ملتا۔ قرآن مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ میں غریبوں کے اس حق کا واضح اعلان و اظہار ملتا ہے۔ اس لحاظ سے زکوٰۃ و صدقات خیرات کے زمرہ سے نکل کر لازمی اور رکنِ دین بن جاتی ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ قرآنِ مجید نے زکوٰۃ

کو اسلام کے سب سے بڑے رکن صلوٰۃ (نماز) کے ساتھ ۳۷ آیاتِ مقدسہ میں شامل کرکے دونوں کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ صرف زکوٰۃ وانفاق کا حکم ان کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی ملتا ہے[۲۴]۔

زکوٰۃ کی متعدد اقسام و اصناف ہیں۔ اصولی طور پر یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مال کی کوئی ایسی قسم نہیں جو اس کے دائرۂ عمل سے خارج ہو۔ خالص چاندی اور سونے کی ایک خاص مقدار پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ مقرر ہے، پیداوار و زراعت پر عشر اور نصف عشر یعنی $\frac{1}{10}$ اور $\frac{1}{20}$ کا اصول ہے، دفینوں وغیرہ پر بھی یہی اصول نافذ ہوتا ہے۔ مویشی کی دولت پر بھی زکوٰۃ عاید ہوتی ہے اور ان کی اقسام کے مطابق شرح بدلتی ہے۔ مال تجارت پر بھی عشر کا اصول ہے۔ غیر مسلم کاشتکاروں کے لیے خراج کا طریقہ ہے جو آدھے سے کم ہوتا ہوا پانچویں حصہ تک جا سکتا ہے۔ آراضی کے خراجی ہونے کی صورت میں مالک زمین کو ہر حال میں خراج دینا ہے چاہے اس کا مذہب کچھ بھی ہو۔ غیر مسلم شہریوں کو جان و مال کے تحفظ کے بدلے جزیہ ادا کرنے کا حکم ہے۔ اگر وہ فوجی خدمات انجام دیں اور ان کے جان و مال کے تحفظ کی صورت نہ ہو تو جزیہ سے استثنا ہو جاتا ہے[۲۵]۔ مستقل آمدنی سے محروم افراد بھی مستثنیٰ ہیں۔

لازمی زکوٰۃ کے مصارف بھی اسلام نے مقرر کرکے عوامی بہبود کا طریقہ اور دولت کی منصفانہ تقسیم کا ذریعہ مقرر کیا ہے۔ وہ صرف غربا و مساکین اور بے مال افراد کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے۔ وہ اسلامی ریاست کے خزانے کا ایک حصہ ہونے کے باوجود اس کا حصہ نہیں ہے۔ یا اس پر کم از کم حکومت و انتظامیہ کا کلی اختیار نہیں ہے۔ اسلام نے مصارفِ زکوٰۃ مقرر و متعین کرکے نہ صرف حقداروں کو ان کا حق دلایا اور عوامی فلاح و بہبود کا تحفظ کیا ہے بلکہ سماج میں موجود مالی ناہمواری اور اقتصادی عدم توازن کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی کے ساتھ دولت کی منصفانہ گردش اور عادلانہ تقسیم کی ضمانت فراہم کی ہے۔ اگر زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کا صحیح طریقے سے انتظام کیا جائے تو آج بھی سماج میں معاشی ناہمواری کو بڑی حد تک دور کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے بعض ادوار میں یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ بعض مقامات پر زکوٰۃ و صدقات لینے والا کوئی نہ ملا اور اسلامی ریاست کو اس کا مصرف کہیں اور تلاش کرنا پڑا۔ زکوٰۃ کے ذریعہ صحیح اسلامی نظام کے قیام کی صورت میں دولت کا ارتکاز ممکن نہیں رہے گا۔ اور ایک حد کے بعد اس کی گردش لازمی ہو جائے گی اور ایک وقت ایسا بھی آ سکتا ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وسائلِ پیداوار، دولت اور مصارفِ مال دونوں کو اپنے ربانی اصول وقوانین سے کنٹرول کرتا ہے۔ منصفانہ حصول وتقسیمِ دولت کی صورت میں معاشرہ کے زیادہ سے زیادہ افراد کو معاشی تحفظ ملتا ہے۔ مالدار وغریب کا مالی عدم توازن کم سے کم ہوتا ہے۔ طاقتور کی طاقت پر پابندی لگتی ہے، کمزور کی حفاظت ہوتی ہے اور ایک ایسا سماج وجود میں آتا ہے جہاں حقیقی معنوں میں فلاحِ عوام وخواص کا خواب شرمندۂ تکمیل وتعبیر ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ عمدہ اقدار اور بہترین روایات پیدا ہوتی ہیں جو سارے انسانوں کو سکون وطمانینت اور راحت وآرام سے ہمکنار کرتی ہیں۔

تعلیقات وحواشی

سلہ عالمی اور اسلامی نظام ہائے معیشت کے لیے بالخصوص ان کے تقابلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابوالاعلیٰ مودودی، معاشیات اسلام، مرتبہ خورشید احمد، دہلی ۱۹۸۱ء ابواب اول تا سوم۔

سلہ۲ حوالہ سابق ص۶۶-۳۱، ص۱۱۷-۶۸، ص۸۶-۱۴۱ ومابعد۔ نیز ملاحظہ ہو: روداد انٹرنیشنل اسلامک کانفرنس مرتبہ۔ ایم اے خان، اسلام آباد ۱۹۷۰ء بالخصوص مضامین ومقالات از مظہر الدین صدیقی۔ ایم مسعود اور ضیاء الحق ص۱۱-۹۱۔ سید عبداللطیف *Bases of Islamic Culture*، حیدرآباد دکن ۱۹۵۹ء، ص۲۳۰-۱۹۸، مولانا محمد تقی امینی، اسلام کا زرعی نظام، علی گڑھ ۱۹۸۰ء۔

سلہ۳ انسان کی معاشی ناہمواریوں پر ملاحظہ ہو: ابوالاعلیٰ مودودی، حوالہ سابق ص۸۱-۷۷

سلہ۴ دوسری آیات کریمہ جو اس موضوع سے متعلق ہیں: سورہ ۱۷، ۲۱، ۳۰؛ سورہ ۳۴ آیت ۳۹؛ سورہ ۴۲ آیت ۱۲۔ نیز سورہ ۴ آیت ۳۲؛ سورہ ۲۷ آیت ۱۷؛ سورہ ۳۰ آیت ۲۸

سلہ۵ ملاحظہ ہو: سورہ ۲ آیت ۲۹؛ سورہ ۷ آیت ۱۰؛ سورہ ۸ آیت ۳، سورہ ۱۴ آیت ۳۴-۳۲، سورہ ۵۶ آیت ۶۴-۶۳؛ سورہ ۶۷ آیت ۱۵۔

سلہ۶ گلڈ سسٹم اور ذات پات کے نظام کے لیے ملاحظہ ہو: انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، نفس مضمون؛ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔

سلہ۷ سورہ ۷ آیت ۱۵۷؛ سورہ ۹ آیت ۸۷؛ سورہ ۱۶ آیت ۱۱۶

سلہ۸ سورہ ۱۴ آیت ۲۹؛ نیز ملاحظہ ہو: ابوبکر جصاص، احکام القرآن، قاہرہ ۱۳۴۷ھ جلد دوم ص۲۱۰؛ ابن العربی، احکام القرآن، مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۳۳۱ھ، اول ص۱۷۰

[illegible]

۱۵ تقی امینی، اسلام کا زرعی نظام

۱۶ عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت پنجم ص ۷-۲۹۴ اور دوازدہم ص ۷۱-۲۷۰؛ تقی امینی، مذکورہ بالا ص ۲۰-۱۱۹

۱۷ ابو یوسف، مذکورہ بالا، ص ۲۸ وما بعد؛ ابو عبید، مذکورہ بالا ص ۲۰-۱۱۹؛ ڈی، سی، ڈینٹ (Danil C. Dennett) Conversion and the poll-Tax in Early Islam، کیمبرج ۱۹۵۰ء ص ۲۲-۲۰ وما بعد (اردو ترجمہ بعنوان جزیہ اور اسلام از غلام رسول مہر)

۱۸ سورہ ۵۹ آیت ۷

۱۹ سورہ ۶ آیت ۱۴۱؛ سورہ ۱۷ آیات ۲۷-۲۶؛ ۲۹؛ سورہ ۱۵ آیت ۶۷، سورہ ۲۸ آیت ۷۷

۲۰ سورہ ۳ آیت ۱۸۰؛ سورہ ۹ آیت ۳۴؛ سورہ ۲۹ آیت ۳۴؛ سورہ ۶۴ آیت ۱۶؛ سورہ ۴۷ آیت ۳۸؛ سورہ ۴۵ آیت ۲۴؛ سورہ ۵۷ آیت ۲۱؛ سورہ ۷۴ آیت ۴۵؛ سورہ ۷۹ آیت ۲۰-۱۵؛ سورہ ۹۲ آیت ۱۱؛ سورہ ۱۰۴ آیت ۴-۱؛ سورہ ۱۰۷ آیت ۳-۱ اور ۷ نیز ملاحظہ ہو: سورہ ۲۸ آیت ۵۸؛ سورہ ۳۴ آیت ۵-۳۴؛ سورہ ۱۰۲ آیت ۳-۱

۲۱ سورہ ۲ آیت ۱۷۷، ۱۹۵، ۲۱۹، ۲۷۳؛ سورہ ۳ آیت ۹۲؛ سورہ ۴ آیت ۸-۳۶؛ سورہ ۲۴ آیت ۲۲؛ سورہ ۵۷ آیت ۵-۲۴؛ سورہ ۷۶ آیت ۹-۸: نیز ملاحظہ ہو: زمخشری - الکشاف، مطبعۃ البہیہ، مصر ۱۳۴۳ھ، جلد اول ص ۱۲۶

۲۲ سورہ ۲ آیت ۱۸۳، ۱۹۶؛ ۴-۲۶۲؛ ۲۶۷، ۲۷۱؛ سورہ ۴ آیت ۳۸؛ سورہ ۵ آیت ۸۹، ۹۵؛ سورہ ۵۸ آیت ۴-۳

۲۳ سورہ ۲ آیت ۳، ۴۳، ۸۳، ۱۱۰، ۱۷۷، ۲۷۷؛ سورہ ۴ آیت ۷۷، ۱۶۲، سورہ ۵ آیت ۱۲، ۵۵؛ سورہ ۸ آیت ۳ اور متعدد دوسری آیات کریمہ۔

۲۵-۲۴ نیز ملاحظہ ہو: طبری، تاریخ الرسل والملوک، دارالمعارف قاہرہ ۱۹۶۲ء، سوم ص ۵-۲۴۴ وما بعد؛ بلاذری، فتوح البلدان، قاہرہ ۱۹۵۷ء، اول ص ۱۱۳ وما بعد؛ ابو یوسف، کتاب الخراج ص ۹۶-۸۶؛ عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت ص ۷-۶۶۶ اور ص ۴-۲۶۲؛ ابو بکر جصاص مذکورہ بالا، سوم ص ۷-۷۵؛ ص ۷-۱۵۱؛ شوکانی، نیل الاوطار، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۳۴۷ھ
۲۰۵

جلد چہارم ص۱۲۶-۹۸، ص۳۶-۱۴۴ ومابعد۔

۲۶؎ ڈی، سی ڈینٹ، مذکورہ بالا؛ مظہر الدین صدیقی، مضمون مذکورہ بالا۔

۲۷؎ مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، آیت مصارف پر بحث۔

۲۸؎ شوکانی، مذکورہ بالا، جلد ششم ص۵۶-۴۷؛ کتب فقہ اور سورہ ۲، آیت ۱۲-۷، ۱۷۶؛ سورہ ۳۳، آیت ۶-۴، نیز شوکانی ص۵-۳۲؛ سورہ ۴ آیت ۹-۵؛ سورہ ۶ آیت ۳۵-۳۲؛ سورہ ۷ آیت ۲۴ اور سورہ ۵۹ آیت ۹ وغیرہ۔
